OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 8 Issue 3 (July-September 2025)

از خود وصولیٔ حق: فقہی اساسات اور عصرِ حاضر میں قانونی و عملی تطبیقات کا تحقیقی مطالعہ

Self-Enforcement of Rights: A Jurisprudential Study of Its Foundations and Contemporary Legal and Practical Applications

Dr Muhammad Haroon
Assistant Professor Department of Islamic Studies University of Sargodha
muhammad.haroon@uos.edu.pk
https://orcid.org/0000-0002-1046-1279
Muhammad Abrar
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies University of Sargodha
malikabrar708@gmail.com
https://orcid.org/0009-0004-2439-9017
Zulfiqar Ali
Lecturer(V) Department of Islamic Studies University of Sargodha
hafizzulfiqarali1996@gmail.com

Abstract

In any civilized society, the foundation of mutual love, dignified respect, sacrifice, and the stability of peace and security rests upon the sincere fulfillment of one another's rights. Until such a value becomes deeply ingrained, no society can truly be considered a cradle of peace. The violation of rights does not merely lead to resentment and disputes; it often escalates to corruption, bloodshed, and even

CC BY

outright warfare. History bears witness that many great conflicts and devastating wars have arisen as a result of the denial of rights and acts of oppression. One of the distinctive features of Islam is that it commands every individual to fulfill the obligations upon them in their entirety, warning those who show negligence or heedlessness of severe consequences in both this world and the Hereafter. Among the various categories of human rights, the most delicate and sensitive is that which pertains to financial dealings, wherein honesty, transparency, and caution are indispensable. Even a slight breach of trust or negligence in such matters can lead to intense disputes between parties, eventually taking the case to the court of a judge, which in turn fuels enmity and hostility. According to Islamic law, if a debtor deliberately delays the repayment of debt, he is deemed an oppressor, and the rightful claimant is permitted to recover his due independently. However, if the debtor is genuinely in hardship, the Shariah strongly urges the creditor to grant additional time and show leniency. The jurists have meticulously examined which rights may be claimed directly by the rightful party and the wisdom behind such permission, and which matters necessarily require the intervention of a judge. The classical works of Islamic jurisprudence contain numerous examples and precedents on this subject. The present study offers a critical and analytical examination of these issues, with particular reference to the opinions of the jurists regarding non-fulfillment of financial obligations, as well as the modern legal and social contexts in which a rightful claimant must depend upon judicial adjudication to obtain what is due to them.

Keywords: Rights Fulfillment, dignified respect, sacrifice, Islamic jurisprudence, modern legal and social contexts

تمہید

کسی بھی مہذب معاشرے میں باہمی محبت، باوقار احترام، ایثار و قربانی اور امن وامان کے استحکام کا دارومدار اس امر پر ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کے حقوق پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کریں۔ جب تک یہ رویہ راسخ نہ ہو، کوئی معاشرہ حقیقی معنوں میں امن کا گہوارہ نہیں بن سکتا۔ حقوق کی پامالی محض رنجش اور نزاع پر منتج نہیں ہوتی بلکہ اکثر اوقات یہ فساد، خونریزی بلکہ قتل و قتال تک جا پہنچتی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بڑے بڑے فتنے اور تباہ کن جنگیں اکثر حقوق کی عدم ادائیگی اور ظلم وزیادتی کے نتیجے میں برپا ہوئی ہیں۔ دینِ اسلام کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ ہر فرد کو اپنے ذمہ عائد حقوق کی کما حقہٗ ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور اس میں کوتاہی یا غفلت برتنے والے کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں سخت وعید سناتا ہے۔ انسانی حقوق کی متعدد اقسام میں سب سے زیادہ نازک اور حساس باب مالی معاملات سے متعلق ہے، جس میں دیانت، شفافیت اور احتیاط بنیادی شرط ہے۔ مالی لین دین میں ذرا سی بددیانتی یا غفلت، فریقین کے درمیان شدید نزاع کو جنم دے کر معاملہ قاضی کی عدالت تک پہنچا دیتی ہے، جس سے عداوت اور خصومت مزید بھڑک اٹھتی ہے۔ شریعتِ مطہرہ کے نزدیک اگر کوئی مقروض شخص دانستہ طور پر قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرے تو وہ ظالم شمار ہوتا ہے، تاہم اگر مقروض واقعی مجبوری اور تنگ دستی کا شکار ہو تو شریعت قرض خواہ کو مزید مہلت دینے اور نرمی برتنے کی پرزور تاکید کرتی ہے۔ فقہائے کرام نے اس باب میں نہایت باریک بینی سے یہ سوال زیرِ بحث لایا ہے کہ کن حقوق کی وصولی صاحبِ حق کے لیے براہِ راست ممکن ہے اور اس اجازت کی حکمتیں کیا ہیں، اور کن معاملات میں قاضی کی مداخلت ناگزیر قرار پاتی ہے۔ کتبِ فقہ میں اس موضوع سے متعلق کثیر مثالیں اور نظائر مذکور ہیں۔ زیرِ نظر مقالے میں انہی مسائل کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، بالخصوص مالی حقوق کی عدم ادائیگی کے ضمن میں فقہائے امت کی آراء اور عصرِ حاضر میں ان کی نئی قانونی و معاشرتی صورتیں، جن میں صاحبِ حق کو اپنے حق کے حصول کے لیے قضائے قاضی پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اس حوالے سے ہمیں مصنف ابن شیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے ایک فیصلہ ملتا ہے، ہم یہاں صرف اس فیصلے کو ہی ذکر نہیں کریں گے بلکہ اس فیصلے کے پیچھے مقدمہ کی نوعیت کا بھی تذکرہ کریں گے جس سے اس فیصلے کو سمجھنا مزید آسان ہو جائے گا۔ پھر اس فیصلے سے فقہاء کرام نے بہت اہم مسئلے کا بھی استنباط فرمایا ہے، جسے مسئلۃ الظفر بالحق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ذیل میں اس مسئلہ فقہیہ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں اس مقدمے کی روشنی میں نئے پیش آمدہ مسائل کو بھی منصہ شہود پر لانے کی کوشش کی جائے گی:

مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ

أَيُّمَا رَجُلٍ أَفْلَسَ، فَأَدْرَكَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ، قَضَى بِذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1] "جو شخص مفلس ہو گیا، پھر صاحب حق نے اس کا کوئی سامان پایا تو وہ باقی غرماء کے بنسبت اس سامان کا زیادہ حقدار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ فرمایا تھا"۔

سبب ورود

اگرچہ مذکورہ حدیث کا سبب ورود مصنف ابن شیبہ کی ایک اور روایت میں بھی موجود ہے، اور بالکل انہی الفاظ میں مسند ابی داود الطیالسی میں بھی مذکور ہے اس لیے ہم مسند ابی داود الطیالسی کی روایت کو ذکر کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ خَلْدَةَ، قَالَ: أَتَيْنَا أَبَا هُرَيْرَةَ فِي صَاحِبٍ لَنَا أُصِيبَ، يَعْنِي أَفْلَسَ، فَأَصَابَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: هَذَا الَّذِي قَضَى فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ مَنْ أَفْلَسَ أَوْ مَاتَ فَأَدْرَكَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ، إِلَّا أَنْ يَدَعَ الرَّجُلُ وَفَاءً[2] "حضرت عمر بن خلدہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوہریرہؓ کے پاس اپنے ایک ساتھی کا مسئلہ لے کر حاضر ہوئے جو مفلس ہو چکا تھا، سو ایک شخص نے اس مفلس کا سامان پایا ، تو کیا صاحب حق اس کا سامان لے سکتا ہے ؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا: آپ علیہ السلام کے پاس بھی اس طرح کا مقدمہ آیا تھا تو آپ نے فرمایا جو شخص مفلس ہو جائے یا مر جائے اور اس کے ذمے کسی کا دَین ہو، تو ایسی صورت میں صاحب حق کو اس کا کوئی سامان مل جائے اور وہ اس پر قبضہ کرلے تو وہ اسی کا ہو جائے گا، الایہ کہ وہ اپنے پیچھے کوئی مال چھوڑ کر چلا جائے"۔

مسئلہ فقہیہ کا استنباط

حدیثِ مذکور سے مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص مفلس ہو جائے اور اس کے ذمے بعض افراد کا دین ہو، اور مفلس اس دین کی ادائیگی میں سستی کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں صاحبِ حق کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنا حق وصول کرنے کے لیے مقروض کے کسی سامان پر قبضہ کرلے۔ فقہائے کرام، محدثین اور شارحینِ حدیث کی اصطلاح میں اس مسئلہ کو "مسئلۃ الظفر بالحق" کہا جاتا ہے۔

"مسالة الظفر بالحق" کی تشریح اور فقہاء کی آراء

حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے فتح الباری میں مسئلۃ الظفر بالحق کی وضاحت کی ہے: أَنَّ مَنْ لَهُ عِنْدَ غَيْرِهِ حَقٌّ وَهُوَ عَاجِزٌ عَنِ اسْتِيفَائِهِ جَازَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ مَالِهِ قَدْرَ حَقِّهِ بِغَيْرِ إِذْنِهِ--- وَتُسَمَّى مَسْأَلَةَ الظَّفَرِ[3] "جس شخص کا کسی دوسرے پر کوئی حق واجب ہو، اور صاحب حق کے لیے اس کو حاصل کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اس کے مال سے، اس کی اجازت کے بغیر اپنے حق کی بقدر لے سکتا ہے"۔ حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے اصل اصول تو یہی ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کا اہتمام کرے، کسی ٹال مٹول اور سستی کے بغیر اپنے اوپر واجب ہونے والے حقوق کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔ قرآن کریم میں اسی بات کا حکم دیا گیا ہے: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا[4] "امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو"۔ اور رسول کریم ﷺ کے اسوہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ذمہ واجب ہونے والے حقوق کو بغیر کسی کوتاہی کے ادا کرنا چاہیے۔ تاہم معاشرے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حقوق کی ادائیگی میں جان بوجھ کر ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں، باوجودیکہ وہ ان کو ادا کرنے کی حیثیت بھی رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں شریعت صاحبِ حق کو اپنا حق وصول کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ بالعموم شریعت کا مزاج یہ ہے کہ منازعات کے موقعہ پر لوگ اپنا مقدمہ قاضی کے پاس لے کر جائیں اور قضاء قاضی سے اپنے نزاعات کو حل کریں، تاہم بعض مواقع پر مجبوری کی حالت میں باہمی طور پر بھی انہیں حل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ اس تناظر میں شریعتِ اسلامی کا عمومی مقصدِ تشریع ہی عدل و انصاف کا قیام اور مظالم و حقوق تلفی سے روکنا ہے۔ اس اجازت کی چند حکمتیں یہ ہیں:

- مظالم کے پھیلاؤ اور ناجائز تاخیر سے بچنا
- حقیقی مالک کے حقوق کا فوری و مناسب تحفظ
- پیچ کے رویّے (تعطیل، جان بوجھ کر تاخیر) کی نزاہت اور ایسے رویّوں کے نتائج کو روکنا
- عدالتی یا دیگر طریقوں کے عملی طور پر ناممکن یا غیر موثر ہونے کی صورت میں فوری کفایت

ذیل میں ان معاملات کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا جاتا ہے:

وہ حقوق جنہیں قضائے قاضی کے بغیر وصول نہ کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے

شریعت میں بہت سارے حقوق ایسے بتائے گئے ہیں جنہیں لوگ از خود وصول نہیں کر سکتے، بلکہ انہیں وصول کرنے کے لیے قاضی یا حاکم کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ذیل میں ان حقوق کی وضاحت کی جاتی ہے:

حدود و تعزیرات

اتنی بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حدود و تعزیرات قضائے قاضی کے بغیر از خود وصول نہیں کیے جاسکتے۔ اس لیے کہ ایسے معاملات میں رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کا اسوہ ملتا ہے کہ ان کے زمانے میں اس قسم کے معاملات ان کے پاس لائے جاتے؛ اور وہ خود فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ حدود و تعزیرات کے معاملات لوگوں نے باہمی رضامندی کے طور پر حل کر لیے ہوں، یا خود ہی کسی پر حد یا تعزیر جاری کر دی ہو[5]۔ نیز یہ معاملات انسانی جان و آبرو سے متعلق ہونے کی وجہ سے پُر خطر بھی ہیں، اس لیے ان کے اثبات اور استیفاء میں حد درجہ احتیاط لازم ہے، جس کے لیے لامحالہ قانونی کاروائی قضائے قاضی کے ذریعے سے ہونا ہی ضروری ہے[6]۔ مزید بر آں اگر حدود و تعزیرات کے معاملات عوام الناس پر چھوڑ دیے جائیں تو معاشرے میں بدامنی اور فتنہ کے صدور کا سبب بن سکتا ہے[7]۔ اسی طرح عقوبات میں سے بہت سارے ایسے بھی ہیں کہ جنہیں قاضی یا امام کے بغیر صحیح طور پر منضبط نہیں کیا جاسکتا، نیز حدود و تعزیرات کا اصل ہدف زجر اور خوف وہراس ہے، اور وہ قضائے قاضی کے بغیر ممکن نہیں۔[8]

حقوق شرعیہ محضہ

اتنی بات پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ حقوق شرعیہ محضہ مثلاً نکاح، طلاق، رجوع، ایلا، لعان اور ظہار وغیرہ جتنے احکام ان سے متعلق ہیں ان سب کو بھی قضائے قاضی کے بغیر وصول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ یہ بھی عقوبات کی طرح بہت زیادہ حساس معاملات ہیں، ان کے فیصلے میں بہت سارے مقامات پر تحری، غور و فکر اور اجتہاد کرنا پڑتا ہے، اور یہ قضائے قاضی سے ہی ممکن ہے۔[9]

دَین کا حصول جب کہ مقروض دینے کا وعدہ کرے

اتنی بات پر بھی فقہاء متفق ہیں کہ قضائے قاضی کے بغیر اس دین کو وصول کرنا بھی جائز نہیں جب کہ مقروض اس کی ادائیگی کا وعدہ کر رہا ہو اور کوشش بھی کر رہا ہو۔ لہذا ایسی صورت میں مقروض کے مال پر قبضہ کرنا جائز نہ ہو گا۔[10]

شرعی عذر کی بناء پر دَین کی ادائیگی سے رکنا

اتنی بات پر بھی فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی شرعی عذر لاحق ہو تو اس کی موجودگی میں بھی صاحب حق کے لیے گنجائش نہیں ہے کہ وہ ازخود اپنا دین وصول کرلے۔ مثال کے طور پر دَین کی ادائیگی کی ایک مدت طے ہو چکی ہے، ایسی صورت میں اس مدت کے پورا ہونے سے قبل دین کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، شریعت جانبین کو اپنے وعدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے۔ اگر کسی شخص نے ایسی صورت میں ازخود اپنا حق وصول کر لیا تو اسے چاہیے کہ بعینہ واپس کردے، اگر وہ ہلاک ہو جائے یا استعمال ہو جائے تو اس پر اس کا عوض دینا لازم ہو گا۔[11]

شرائطِ جواز (عمومی ضوابط) روایاتِ فقہ میں اس اجازت کے اطلاق کے لیے متعدد شروط و قیود بیان کیے گئے ہیں تاکہ رعایتِ انصاف اور زیادتی سے بچا جاسکے۔ مختصراً چند بنیادی شرائط یہ ہیں:

- **وہ شخص جس کے مال پر قبضہ کیا جا رہا ہے وہ حق ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس کے مال پر قبضہ کرنا ظل ہو گا۔**
- **اب تک صاحب حق نے مناسب کوششیں کی ہوں، لیکن ان سب کے باوجود مدیون اس کے حق کو ادا کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو۔**
- **قبضہ بقدر حق ہو۔ نہ زیادہ ہو اور نہ ہی کم۔**
- **ایسا طریقہ ہرگز نہ اختیار کیا جائے کہ جس سے شدید ناانصافی یا اجتماعی نقصان ہوتا ہو۔**

وہ حقوق جنہیں قضائے قاضی کے بغیر وصول کرنے میں فقہاء کا اتفاق ہے

بعض حقوق ایسے ہیں جنہیں وصول کرنے کے لیے قضائے قاضی ضروری نہیں ہے، وہ درج ذیل ہیں:

اعیان مستحقہ

اعیان مستحقہ کو لینے کے لیے قضائے قاضی ضروری نہیں۔ مثال کے طور پر کسی شخص نے کوئی چیز غصب کرلی، جس کی وہ چیز تھی، اسے اختیار ہے وہ چیز ازخود وصول کرلے۔ اس کو لینے کے لیے رفع الی القاضی ضروری نہیں۔[12]

زوجہ اور اولاد کا نفقہ

اتنی بات پر بھی اتفاق ہے کہ زوجہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے خاوند کے مال سے اپنا اور اپنی اولاد کا نفقہ جو، ان کے لیے کافی ہو، بغیر خاوند کی اجازت اور بغیر رفع الی القاضی کے لے سکتی ہے۔ چاہے وہ رفع الی القاضی پر قدرت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔[13]

وہ حقوق جنہیں قضائے قاضی کے بغیر وصول کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے

البتہ فقہاء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ مالی حقوق میں جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق یا دَین واجب ہو، تو کیا صاحب حق کے لیے اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ بغیر قضائے قاضی کے، یا جس شخص سے اس نے اپنا حق وصول کرنا ہے اس کی اجازت کے بغیر اپنے حصہ کے بقدر، اپنا حق یا دَین وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حنابلہ کی رائے

حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ کسی صاحب حق کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مدیون کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے اپنے حق کے بقدر قبضہ کرے۔ چاہے وہ رفع الی القاضی پر قدرت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو، چاہے وہ مال اس کے حق کی جنس سے ہو یا نہ ہو، چاہے

مدیون اپنا حق دینے کا وعدہ کر رہا ہو یا سستی اور ٹال مٹول سے کام لے رہا ہو، ہر صورت میں دائن کے لیے قطعا اجازت نہیں کہ وہ اپنے مدیون کے مال پر قبضہ کرے۔[14]

دلیل اول

حنابلہ کی اپنے موقف پر پہلی دلیل سنن ابی داود کے کتاب البیوع کی وہ روایت ہے:«أَدِّ الْأَمَانَةَ إِلَى مَنِ ائْتَمَنَكَ، وَلَا تَخُنْ مَنْ خَانَكَ»[15] "جو تمہارے پاس امانت رکھوائے، اس کی امانت اسے واپس کرو، اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو"۔ اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مدیون کو بتائے بغیر اس کے مال سے اپنے حق کے بقدر وصول کرے گا تو یہ اس کے حق میں خیانت تصور ہو گی، یہ بات حدیث کے عموم میں داخل ہے۔

دلیل کا جواب

جمہور کی طرف سے اس حدیث کے دو جواب دیے گئے ہیں:

- اولا تو یہ حدیث ہی ضعیف ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے التلخیص الجبیر میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[16]
- اگر اس حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پھر بھی ان کی دلیل نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس شخص کے مال سے لینا، جو دینے سے انکار کر رہا ہو، اور صاحب حق کو اس کا حق دینے کے لیے تیار نہ ہو، خیانت نہیں تصور کی جاتی، بلکہ اس وقت خیانت ہوتی ہے جب کوئی ظلما یا عدوانا کسی کا مال لے۔ اسی طرح حدیث سے مستفاد ہونے والا مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ تم اس سے خیانت نہ کرو جو تم سے خیانت کر چکا ہے، جب کہ زیر بحث صورت حال میں صاحب حق اپنا حق وصول کر رہا ہے، اور دوسرا شخص اسے محروم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔[17]

دلیل دوم

سنن بیہقی میں مذکور ہے: " لَا يَحِلُّ مَالُ رَجُلٍ مُسْلِمٍ لِأَخِيهِ , إِلَّا مَا أَعْطَاهُ بِطِيبِ نَفْسِهِ"[18] "کسی مسلمان کے لیے اپنے مسلمان بھائی کا مال جائز نہیں جب تک طیب نفس سے نہ دے"۔

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ حدیث پاک میں کسی مسلمان کے مال کو اس کی قلبی رضامندی کے بغیر لینے کو حلال نہیں قرار دیا گیا، ظاہر بات ہے جب کوئی شخص اپنا قرض مدیون کو بتائے بغیر لے گا تو اس کی رضامندی کے بغیر اس کا مال لینا ہے جو جائز نہیں۔

دلیل سوم

تیسری دلیل عقلی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دیکھا جائے گا کہ صاحب حق نے مدیون کے جس مال پر قبضہ کیا ہے، وہ اس کے حق کی جنس میں سے ہے یا نہیں۔ اگر اس کے حق کی جنس میں سے نہیں ہے تو یہ معاوضہ ہو گا اور معاوضہ بغیر باہمی رضامندی کے درست نہیں ہوتا، اگر اس کے حق کی جنس سے ہے تو اس کے لیے صاحب مال کی اجازت کے بغیر حق کی تعیین کرنا درست نہیں۔[19]

جمہور کا موقف

جمہور حضرات یعنی حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ کا موقف یہ ہے کہ صاحب حق کے لیے مدیون سے اپنا حق بغیر قضائے قاضی کے لینا درست ہے۔[20] تاہم حنفیہ کے ہاں ایک زائد شرط بھی ہے وہ یہ کہ صاحب حق کے لیے اس وقت اپنا حق وصول کرنا جائز ہے جب اس کے حق کی جنس سے ہو۔[21]

جمہور کی دلیل اول

جمہور حضرت کی پہلی دلیل سورۃ البقرۃ کی آیت ہے: فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ [22] "جو شخص تم پر زیادتی کرے تو تم اس پر اس کی زیادتی کی مثل زیادتی کرسکتے ہو"۔ اس آیت سے وجہ استدلال یہ ہے کہ جس شخص پر کوئی حق واجب ہو، اور وہ اس کے دینے سے انکار کرے یا جان بوجھ کو ٹال مٹول سے کام لے، تو گویا یہ شخص زیادتی کر رہا ہے ،لہٰذا صاحب حق کے لیے گنجائش ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے بغیر قضائے قاضی کے اپنا حق وصول کرلے، اس لیے کہ شارع نے اس کی اجازت دی ہے۔[23]

دلیل دوم

دوسری دلیل ہند بنت عتبہ کی وہ روایت ہے جس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے خاوند کے بارے میں شکایت کی ،جس کی توضیح کچھ یوں ہے: أَنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيحٌ---[24] "ہند بنت عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، مجھے اتنا مال بھی نہیں دیتے جو میرے لیے اور میری اولاد کے لیے کافی ہوجائے، پھر میں ایسا کرتی ہوں کہ ان کی اجازت کے بغیر ہی ان کے مال میں سے کچھ مال لے لیتی ہوں، کیا میرے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ ارشاد ہوا: تم اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے اتنا مال لے سکتی ہو جو تمہیں کفایت کر جائے"۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ جب ایک عورت کو جس کا خاوند اسے نفقہ نہیں دیتا تھا، اسے بغیر قضائے قاضی کے خاوند کے مال سے لینے کی اجازت مرحمت فرمائی، تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی شخص اپنا حق ادا نہ کرے اور اسے دینے سے انکار کرے یا ٹال مٹول سے کام لے تو صاحب حق کے لیے گنجائش ہے وہ بغیر رفع قاضی کے اپنا مال لے لے۔

دلیل سوم

جمہور حضرات کی تیسری دلیل مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت ہے: ايُّمَا رَجُلٍ أَفْلَسَ، فَأَدْرَكَ رَجُلٌ مَتَاعَهُ بِعَيْنِهِ، فَهُوَ أَحَقُّ بِهِ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ، قَضَى بِذَلِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[25] "جو شخص مفلس ہوگیا، پھر صاحب حق نے اس کا کوئی سامان پایا تو وہ باقی غرماء کے بنسبت اس سامان کا زیادہ حقدار ہے"۔ یہ حدیث بھی اس بات صراحتا دلالت کر رہی ہے کہ صاحب حق کے لیے جائز ہے کہ وہ مدیون کے مال پر قبضہ کرلے۔

مقالہ نگار کی رائے

غور و فکر اور تامل کے بعد مقالہ نگار کی نظر میں عصر حاضر کے حالات کو دیکھتے ہوئے حنابلہ کی رائے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے کہ صاحب حق کے لیے بغیر قضائے قاضی کے اپنا حق وصول کرنا جائز نہیں، وجہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ شانہ نے تمام معاملات کو اللہ، اس کے رسول اور حاکم کے طرف لے جانے کا حکم دیا ہے[26] مزید برآں جن فقہاء نے از خود قبضہ کرنے کی اجازت دی ہے تو وہاں یہ بھی شرط لگائی ہے کہ اس کام میں فتنہ سے امن رہے۔ اور بغیر حکم حاکم کے فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے۔ اس لیے مقالہ

نگار کی رائے کے مطابق بغیر رفع الی الحاکم کے صاحب حق کے لیے اپنا حق وصول کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اگر غور وتامل سے کام لیا جائے تو عصر حاضر کے بہت سارے نئے پیش آمدہ مسائل میں بھی اگر قضائے قاضی کے بغیر حق وصول کرنے کی اجازت دے دی جائے تو بہت زیادہ نزاعات کا سبب ہو گا اور معاشرہ بے امنی کا شکار ہو گا۔

عصر حاضر میں نئے پیش آمدہ مسائل کی تطبیقی صورتیں

پاکستان میں "**از خود وصولی حق** (self-help debt collection)" کے حوالے سے کوئی ایسا واضح قانون موجود نظر نہیں آتا جو صراحتاً قرضدار کی طرف سے واپس نہ کیے گئے قرض کی صورت میں قرض دینے والے کو عدالت سے رجوع کیے بغیر بذاتِ خود عمل کرنے کی اجازت دے۔ البتہ درج ذیل قانونی وضابطہ جاتی حوالہ جات اس معاملے سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں اس حق کی حدود وشرائط کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

- **imitation Act, 1908 (پاکستان)** اس قانون کے تحت قرض کی وصولی کے لیے قانونی دعوے کی مدت مقرر ہے۔ مثلاً قانون میں عمومی دعوے کی مدت تین سال ہے۔
- **Financial Institutions (Recovery of Finances) Ordinance, 2001 —** یہ قانون مالیاتی اداروں کی طرف سے قرض کی وصولی کے عمل کو منظم کرتا ہے، اور ان اداروں کے لیے خاص عدالتیں مقرر کرتا ہے۔
- **State Bank of Pakistan کی جانب سے جاری کردہ رہنما خطوط** ("Fair Debt Collection Guidelines") — قرضدار سے رابطہ، اطلاع، اور وصولی کا عمل کس حد تک قانونی اور مناسب ہونا چاہیے، اس بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

چونکہ از خود وصولی حق کا مطلب ہے کہ قرض دہندہ عدالت کے عمل کے بغیر خود اپنی ملکیت یا اثاثے وصول کرے یا قرضدار پر بلا اجازت کارروائی کرے، پاکستان کے موجودہ قانونی ڈھانچے میں ایسا آزاد اختیار بحیثیت عام حق تسلیم نہیں کیا گیا۔ اس لیے مالیاتی اداروں کے لیے مخصوص پروسیجرز متعین ہیں جو عام قرض دہندگان پر لاگو نہیں ہوتے؛ مالیاتی ادارے کو کورٹ / بینکنگ کورٹ کا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔

رہنما خطوط بتاتے ہیں کہ مالیاتی اداروں کو قرضدار کو کم از کم 14 دن کا نوٹس دینا ضروری ہے قبل از وصولی کارروائی کے۔ اگر قرض وصولی کا عمل بلا کسی قانونی حکم کے خود "از خود" کیا جائے تو یہ ممکنہ طور پر قانوناً چوری، زبردستی قبضہ یا ہراسیت کے زمرے میں آ سکتا ہے، اور قرضدار کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔

سندھ ہائیکورٹ کراچی کا فیصلہ 18 ستمبر 2024: (بینک بمقابلہ صارف) سیکشن 16 FIO 2001 (3) کے تحت زبردستی گاڑی واپس لینے کا دعویٰ / دفاع

پس منظر: صارف نے دعویٰ کیا کہ بینک کے اہلکاروں نے بازار میں زَبردستی چابی چھین کر گاڑی لے لی، جس سے تضحیک / ہتکِ حرمت اور ذہنی اذیت پہنچی؛ بینک نے جواب دیا کہ سیکشن 16 FIO 2001 (3) اور معاہدے کے تحت وجہِ جواز موجود تھی۔

اصول: عدالت نے واضح کیا کہ

- ایسے معاملات میں دائرۂ اختیار کا انحصار اس بات پر ہے کہ دعویٰ فنانس کے تعلق سے پیدا ہونے والی ذمہ داری / خلاف ورزی پر مبنی ہے یا محض ٹارٹ / ہرجانہ پر۔
- اگر ہرجانے کا دعویٰ ٹارٹ پر مبنی ہو تو اس کے ثبوت کا سخت معیار ہے۔
- محض الزامات کافی نہیں—شہادت درکار ہے۔ اس بنیاد پر بینکنگ کورٹ کا فیصلہ برقرار نہ رہ سکا اور اپیل منظور ہوئی / معاملہ پلٹا۔ یہ فیصلہ واضح کرتا ہے کہ ری-پوزیشن "جواز، نوٹس اور طریقۂ کار" کے بغیر نہیں ہو سکتی اور ٹارٹ بنیاد پر ہرجانے کے لیے باقاعدہ ثبوت ضروری ہیں۔[27]

تاہم پاکستان کے Contract Act 1872 کے تحت کسی شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر دوسرے فریق نے اپنی ادائیگی نہ کی ہو تو وہ مال یا سامان کو حبس میں رکھ سکتا ہے جب تک کہ حق ادا نہ ہو۔ مثال: اگر ورکشاپ میں کسی نے گاڑی مرمت کرائی اور ادائیگی نہ کی، تو مکینک کو گاڑی روک کر رکھنے کا حق ہے، مگر بیچنے یا قبضہ منتقل کرنے کا حق نہیں۔[28]

اسی طرح اگر فریقین کے درمیان باہمی مالی دعوے ہوں تو قانون انہیں قانونی حساب کتاب کے بغیر باہمی ایڈجسٹمنٹ کا حق دیتا ہے۔ مثال کے طور پر، کسی کمپنی کے ذمے 10 لاکھ روپے ہوں اور دوسرے فریق پر 8 لاکھ کا دعویٰ ہو تو وہ 8 لاکھ ایڈجسٹ کر کے باقی 2 لاکھ طلب کر سکتا ہے۔[29]

خلاصہ بحث

کسی بھی معاشرے میں امن و امان اور پائیدار استحکام اسی وقت ممکن ہے جب اس معاشرے کے افراد ایک دوسرے کے باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ برتیں۔ حقوق کی ادائیگی میں لاپرواہی یا تاخیر کسی بھی سماج میں فتنہ و فساد، باہمی نزاع اور کشیدگی کو جنم دیتی ہے۔ ان حقوق میں سب سے زیادہ نازک اور حساس پہلو مالی حقوق کا ہے، کیونکہ ان میں غفلت یا عدم ادائیگی نہ صرف فریقین کو عدالتوں کے دروازے تک لے جاتی ہے بلکہ بعض اوقات یہ نزاعات شدت اختیار کر کے قتل و قتال تک جا پہنچتے ہیں۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے مالی حقوق سے متعلق تفصیلی احکام و ہدایات ارشاد فرمائی ہیں، جن کی روشنی میں فقہائے کرام نے متعدد فقہی مسائل مستنبط کیے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دانستہ کسی کا مالی حق ادا نہ کرے تو کیا صاحبِ حق کو یہ اجازت ہے کہ وہ عدالت کا سہارا لیے بغیر اپنا حق از خود وصول کر لے؟ اس مسئلے میں فقہائے کرام کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور فقہا نے حالات و اسباب کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض مواقع پر اس کی اجازت دی ہے اور بعض مواقع پر اس سے منع کیا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک کسی بھی صورت میں صاحبِ حق کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بغیر فیصلۂ قاضی (عدالتی فیصلے) کے اپنا حق خود وصول کرے۔ تاہم جمہور کا موقف بھی بالآخر اسی اصول پر آکر ٹھہرتا ہے کہ اگر از خود وصولی کی صورت میں فتنہ و فساد یا لڑائی جھگڑے کا اندیشہ ہو تو کسی حالت میں بھی عدالت کے بغیر حق وصول کرنا جائز نہیں۔ فریقین کے اس اختلاف پر عقلی و نقلی دونوں نوعیت کے دلائل موجود ہیں جن میں سے بعض کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کی رائے میں حنابلہ کا موقف موجودہ حالات کے عین مطابق اور زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ عصرِ حاضر میں اگر کوئی شخص اپنا حق خود وصول کرنے کی کوشش کرے تو باہمی نزاع اور تنازعہ بڑھنے کا قوی امکان ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب اور محفوظ طریقہ یہی ہے کہ قضائے قاضی (عدالتی فیصلے) کے ذریعے اپنے حقوق واپس لیے جائیں۔

پاکستانی قانون میں بھی یہی اصول کارفرما ہے کہ اگر کوئی فریق یک طرفہ طور پر اپنا حق وصول کرنے کی کوشش کرے تو اسے ہراسمنٹ (Harassment) تصور کیا جاتا ہے، اور اس کا فائدہ دوسرے فریق کو پہنچتا ہے۔ اسی سلسلے میں ہائی کورٹ کراچی کا ایک فیصلہ بطور مثال اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے، جو اس اصول کی واضح طور پر قانونی تائید کرتا ہے۔

حوالاجات

[1] ابو بکر بن ابی شیبہ، **المصنف**، کتاب اقضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۶:۷، رقم: ۲۹۰۶۴۔

[2] ابو داود سلیمان بن داود الطیالسی، **مسند ابی داود**، ۴، ۱۳۰، رقم: ۲۴۹۷۔

[3] احمد بن علی بن حجر العسقلانی، **فتح الباری**، ۹، ۵۰۹۔

[4] النساء: ۵۸۔

[5] کاسانی، **بدائع الصنائع**، ۷، ۵۷۔

[6] محمد الخطیب الشربینی، **مغنی المحتاج**، ۴، ۴۶۱۔

[7] العز بن عبد السلام، عز الدین بن عبد العزیز، **قواعد الاحکام**، (**بیروت: موسسۃ الریان**، س ن)، ۳۳۳۔

[8] نفس مصدر

[9] محمد بن علی المالکی، **تھذیب الفروق**، (**بیروت: عالم الکتب**، س ن) ۴، ۱۲۳۔

[10] الشربینی، **مغنی المحتاج**، ۴، ۴۶۲۔

[11] محمد بن عبد اللہ ابن قدامۃ، **المغنی**، ۱۲، ۲۲۹۔

[12] زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، (**بیروت: دار الکتاب الاسلامی**، س ن)، ۷، ۱۹۲۔

[13] محمد بن احمد السرخسی، **المبسوط**، ۵، ۱۸۸۔

[14] علی بن سلیمان المرداوی، **الانصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف**، (**بیروت: دار الکتب العلمیۃ**، ۱۹۹۷ء)، ۱۱، ۳۰۸۔

[15] سلیمان بن اشعث السجستانی، **سنن ابی داود**، کتاب البیوع، باب فی الرجل یاخذ حقہ من تحت یدہ، ۳، ۲۹۰، رقم: ۳۵۳۵۔

[16] احمد بن علی ابن حجر العسقلانی، **التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر**، (**بیروت: دار المعرفۃ**، س ن)، ۳، ۹۷۔

[17] علی بن احمد بن حزم، المحلی بالاثار، (**بیروت: دار الفکر**، س ن) ۸، ۱۸۲۔

[18] احمد بن الحسین بن علی البیہقی، **السنن الکبری**، باب اھل البغی اذا فاء والم یتبع مدبرھم، (**بیروت: دار الکتب العلمیۃ**، ۱۴۲۴ھ)، ۸، ۳۱۶، رقم: ۱۶۷۵۶۔

[19] ابن قدامۃ، **المغنی**، ۱۴، ۳۳۹۔

[20] کاسانی، **بدائع الصنائع**، ۷، ۱۷، ابن نجیم، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، ۷، ۱۹۲۔ محمد احمد علیش، **منح الجلیل علی مختصر خلیل**، بیروت: دار صادر، ۴، ۴۱۔ جلال الدین السیوطی، **الاشباہ والنظائر**، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ص، ۲۸۱، الشربینی، **مغنی المحتاج**، ۴، ۴۶۲۔

[21] کاسانی، **بدائع الصنائع**، ۷، ۱۷،

[22] البقرۃ: ۱۹۴۔

[23] ابن العربی، **احکام القرآن**، ۱، ۱۸۵۔

[24] محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، باب اذا لم ینفق الرجل فللمراۃ ان تاخذ، ۷، ۶۵، رقم: ۵۳۶۴۔

[25] ابو بکر بن ابی شیبہ، **المصنف**، کتاب اقضیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۶:۷، رقم: ۲۹۰۶۴۔

[26] النساء: ۵۹۔

[27] *Bank v. Customer* (اپیل)، سندھ ہائی کورٹ کراچی، فیصلہ مورخہ 18 ستمبر 2024ء، سیکشن 16(3)، فنانشل انسٹی ٹیوشنز (ریکوری آف فنانسز) آرڈیننس 2001ء۔

Section 171, Contract Act 1872 (Pakistan)[28]
Section 59–61, Contract Act 1872[29]